ماچس

اس دنیا میں ہوا اور پانی کی طرح آگ بھی انسانوں کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ اپنے جسم کو گرم رکھنے سے لے کر کھانا پکانے اور روشنی کے حصول جیسی اہم ترین ضروریات اسی آگ پر منحصر ہیں۔ زمانہ قدیم ہی سے سورج اس آگ کا بنیادی ذریعہ تھا۔ دوسرا ذریعہ جنگلات تھے جن میں بجلی گرنے یا دیگر وجوہات سے لگنے والی آگ نے انسانوں کو یہ احساس دلایا کہ سورج پر تو قابو پانا ممکن نہیں کیوں نہ آگ پر قابو پا لیا جائے۔

انسان نے چقماق (Flint) کے ذریعے سے پہلی دفعہ آگ کو اپنے قابو میں کیا۔ لیکن یہ طریقہ انتہائی مشکل اور صبر آزما تھا۔ انسان نے صدیوں تک اس مسئلے کو حل کرنا چاہا یہاں تک کہ دور جدید میں سلفر کے عنصر کی جلنے کی خصوصیت کی دریافت کے بعد آخر کار ماچس یا دیا سلائی انیسویں صدی میں ایجاد ہوئی۔ اس میں آگ کو محفوظ طریقے پر اور انتہائی سستے داموں انسانوں کے لیے قابلِ حصول بنا دیا گیا۔ آگ جلا کر روشنی اور حرارت حاصل کرنا جو اس سے پہلے ایک خطرناک اور جوکھم کا کام تھا بچوں کا کھیل بن گیا۔

آج ہم جب صبح و شام ماچس اور لائٹر کے ذریعے بہت آسانی سے آگ حاصل کر کے چولہا اور گیزر وغیرہ جلاتے ہیں تو ہزاروں برس پر پھیلی یہ تاریخ ہمارے ذہن میں نہیں ہوتی۔ مگر درحقیقت یہ سادہ ایجاد ان ہزاروں عنایات میں سے ایک ہے جو اللہ تعالیٰ نے دور جدید کے انسانوں پر کی ہیں اور جن کی وجہ سے ہماری زندگی بہت آسان ہو گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دور جدید کے انسان کے پاس اس کا سب سے بڑھ کر موقع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ماضی سے کہیں بڑھ کر سراہے۔ اس کی حمد و تعریف کرے۔ اس کی محبت کے نغمے گائے۔ مگر آج کا انسان ہی وہ ہستی ہے جو سب سے بڑھ کر خدا کو بھولا ہوا اور اس کی ناشکری میں مصروف ہے۔ کیسا عجیب ہے یہ جدید انسان کا المیہ۔

آل داؤد

قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جب وہ اللہ کی حمد اور تعریف کے نغمے گاتے تو پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ حمد میں مشغول ہو جاتے۔ حضرت داؤد پر نازل ہونے والی کتاب زبور اسی حمد کا مجموعہ ہے اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بڑے اعزاز سے یہ بات بیان کی ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو عطا کی تھی۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ حضرت داؤد نے اللہ کی جو حمد کی تھی وہ اللہ ہی کی عطا تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا ایک ایسا اعزاز ہے جو دنیا کی عظیم ترین نعمت ہے۔ یہ اعزاز ہر ہما شما کو نصیب نہیں ہوتا۔ جس شخص کی نگاہ مذہب اور مذہبی ادب پر ہے وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ مذہب کے نام لیواؤں میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کا اعزاز بہت کم لوگوں کو حاصل رہا ہے۔ زیادہ تر مذہبی لوگ خدا کو مان کر بھی غیر اللہ کی عظمت، اپنے اکابرین کی بڑائی اور اپنے تعصّبات میں زندہ رہے۔ اسی طرح خدا کو بھول جانے، اس کی نافرمانی کرنے اور اس کی ناشکری کرنے والے بھی اس عزت سے محروم رکھے جاتے ہیں۔

اللہ جل جلالہ کی حمد کی عزت صرف انھی کو دی جاتی ہے جو لمحہ لمحہ اس کی یاد میں گم رہتے ہیں۔ جو اس کی خاطر اپنے ہر تعصب اور ہر فرقہ وارانہ وابستگی کو قربان کر دیتے ہیں۔ جو غیب میں رہ کر بھی ہر جگہ اس کی نعمت اور احسان کو دیکھ لیتے ہیں۔ جو پیغمبروں کو اپنے قومی فخر کے بجائے اللہ کے نبی کے طور پر دریافت کرتے ہیں۔ جو اس کی مرضی کو اپنی قوم پرستانہ سوچ اور جذبات و خواہشات پر غالب رکھتے ہیں۔

یہی گنتی کے وہ آل داؤد ہیں جن پر خدا کا فضل ہوتا ہے اور ان کو حمد باری تعالیٰ کے لیے قبول کیا جاتا ہے۔ ان کے الہامی نغموں کے ساتھ آج بھی پہاڑ تسبیح کے گیت گاتے، پرندے حمد کے ترانے گنگناتے اور ابن آدم تکبیر بلند کرتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ واللہ اکبر۔ وللہ الحمد۔

دعااور حکمت عملی

اللہ تعالیٰ ہماری بعض دعائیں قبول کیوں نہیں کرتا، یہ وہ سوال ہے جو اکثر عام لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ بات اس لیے بھی زیادہ اہم ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ صاف فرماتے ہیں۔

تمھارے رب کا فرمان کہ مجھ کو پکارو، میں تمھاری درخواست قبول کروں گا،(مومن 60:40)

قرآن مجید کی اس آیت کو اس حوالے سے بیان کردہ بعض دیگر بیانات سے ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی دعا رد نہیں کرتے، لیکن اس دنیا میں ان کی عطا کا انحصار ان کے علم ومشیت پر ہے،(شوریٰ 19,49-50)۔اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کے علم کے تابع ہے۔ چنانچہ جب وہ جان لیتے ہیں کہ جو چیز مانگی جارہی ہے، وہ کسی بھی شر کا سبب ہوسکتی ہے تو بندے کو وہ چیز نہیں دیتے بلکہ اس سے کوئی بہتر چیز عطا کرتے ہیں۔

تاہم اس حوالے سے ایک دوسری چیز ہے جس کا تعلق قانون قدرت سے ہوتا ہے۔سیب کا پھل پانے کے لیے سیب کا درخت لگانا ہوگا۔آم کا درخت لگا کر سیب کی دعا مانگنے سے کبھی سیب نہیں ملے گا۔تاہم بہت سے انسان اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے حصے کا کام بھی اللہ تعالیٰ کریں۔یعنی انسان تو کوئی اسباب نہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ اسباب سے بلند ہوکر ان کی دعا قبول کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا امتحان لینے کے مترادف ہے۔ یہ رویہ درست نہیں۔

اس لیے امتحان میں کامیابی کے لیے محنت کرنا ہوگی۔ ملازمت چاہیے تو اہلیت پیدا کرنا ہوگی۔ رشتہ چاہیے تو لڑکے اور لڑکی کو تمام مروجہ ضروری اسباب مہیا کرنا ہوں گے۔ان سب کے ساتھ بھرپور کوشش اور حکمت عملی اختیار کرنا ہوگی۔ ان چیزوں کو اختیار کیے بغیر اللہ کو الزام دینا، اللہ کا امتحان لینے کے مترادف ہے۔

اپنے اعمال آج تولیے

''آج میں آپ کو ایک راز کی بات بتانا چاہتا ہوں۔''

عارف نے مجلس کے آغاز میں جب یہ بات کہی تو ہر سننے والا ہمہ تن گوش ہوگیا۔ گرچہ اس سے قبل بھی ان کی پوری توجہ عارف ہی کی طرف تھی۔ وہ ایک وقفے کے بعد دھیرے سے بولے:

''آج میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اِسی دنیا میں رہتے ہوئے آپ جان سکتے ہیں کہ روزِ قیامت میزان میں آپ کا نیکی کا پلڑا بھاری ہوگا یا گناہوں کا۔''

یہ کہہ کر وہ دوبارہ ٹھہر گئے۔ اس وقفے کا فائدہ اٹھا کر ایک صاحب گویا ہوئے:

''جس کے نیک عمل گناہوں سے زیادہ ہوں گے اسی کی میزان بھاری ہوگی۔ کیا اس کے علاوہ بھی اعمال تولنے کا کوئی طریقہ ہے؟''

''آپ نے درست کہا۔ مگر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ وہاں اعمال کی گنتی ہی نہیں ہوگی بلکہ ان کی تول بھی ہوگی۔ پہلے مرحلے میں نامہ اعمال پیش ہوگا۔ اس میں ہر عمل لکھا ہوا ہوگا۔ مگر میزان کا معاملہ جدا ہے۔ میزان میں تو ان اعمال کا وزن ہوگا۔ اسی وزن پر انسان کی نجات، بلندی درجات یا پکڑ کا حتمی فیصلہ ہوگا۔؟''

عارف یہ کہہ کر رکے تو ہر چہرے پر ایک سوال پیدا ہو چکا تھا۔ عارف دوبارہ بولے:

''میں یہ اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ جیسے نیک لوگ اپنے نیک اعمال کی کثرت کے باوجود قیامت کے دن کہیں محرومی کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس لیے اللہ کی تول سے قبل آج ہی اپنی تول کر لیں۔''

یہ کہہ کر عارف پھر رکے تو ان کے قریب بیٹھے ایک شخص نے ذرا گھبرائے ہوئے انداز میں

کہا۔

”جناب! آج تو آپ بہت ڈرارہے ہیں۔“

”ہاں! مگر یہ علم ضروری ہے۔ یہ علم نجات کے لیے بھی ضروری ہے اور بلندی درجات کے لیے بھی ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن، خدانہ کرے ہم کسی محرومی کا شکار ہو جائیں۔“

یہ کہہ کر عارف نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک حاضرین پر نظر ڈالی اور بولے:

”ہم اس لیے محروم رہ جائیں گے کہ روزِ قیامت ہمارے نامہ اعمال میں ہر نیکی ہوگی۔ نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ۔ مگر ہمارے پاس ان اعمال کی روح نہیں ہوگی۔ چنانچہ روز قیامت جب ہمارے بہت سارے اعمال کو میزان میں رکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ان کا وزن تو بہت کم ہے۔ دوسری طرف ہمارے گناہوں کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہوگا۔“

”مگر گناہ تو تھے ہی نہیں۔ ہم نے زنا نہیں کیا۔ قتل نہیں کیا۔ زمین میں فساد نہیں کیا۔“

ایک صاحب نے کچھ احتجاجی لہجے میں گفتگو میں مداخلت کی۔

”گناہ کی شکل نہیں تھی۔ مگر اسپرٹ پوری طرح موجود تھی۔“

یہ جواب دیتے ہوئے عارف کا لہجہ ایک دم سے سخت ہوگیا۔

”ہم نے جسمانی طور پر کسی عورت سے زنا نہیں کیا۔ مگر ہم میں سے کتنے ہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے دل اور نگاہ سے کتنی ہی اداکاراؤں، ماڈلوں اور اردگرد پائی جانے والی خواتین کے ساتھ بار بار بدکاری کی۔ حتیٰ کہ بڑھاپے میں بھی ہم یہ جرم کرتے رہے۔“

”ہم نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ مگر کتنے قاتلوں کو اپنے سیاسی تعصّبات کی بنیاد پر ووٹ دیے۔ کتنے قاتلوں کو اپنے فرقہ وارانہ اور نظریاتی تعصّبات کی بنیاد پر ہیرو اور شہید کہہ کر ان کی حمایت کرتے رہے۔ ہماری حمایت اور تحفظ کی بنا پر یہ قاتل مضبوط ہوئے۔ جس کے بعد روز قیامت

قاتلوں کے ہر جرم کا ایک حصہ ہمارے نامہ اعمال میں بھی ڈال دیا جائے گا۔‘‘

’’ہم نے زمین پر فساد نہیں مچایا۔ مگر ہم نے کم تولا، زیادہ لیا۔ یہ فساد فی الارض ہے۔ ہم نے اپنی انانیت اور مفادات کی بنا پر ان لوگوں کا ساتھ نہیں دیا جو حق کے علمبردار تھے۔ یہ فساد فی الارض ہے۔ ہم نے ہر سنی سنائی بات کو بلا تحقیق آگے پھیلا کر دوسروں کی جان، مال، آبرو خطرے میں ڈالی۔ یہ فساد فی الارض ہے۔‘‘ عارف کے لہجے میں غضب تھا۔

سو ہماری میزان میں ہر بڑے گناہ کی شکل نہ سہی روح ضرور ہوگی۔ اور روز قیامت وزن اعمال کی روح جاننے کے لیے ہی کیا جائے گا۔ اب جب آپ کو اپنے اعمال کا وزن معلوم ہو چکا ہے تو ضمیر کی میزان پر خود کو تول لیجیے۔ قبل اس کے کہ خدا اپنی میزان پر ہمیں تولے۔‘‘

عاف کی بات ختم ہو گئی مگر ہر اس شخص کو لرزا گئی جس کے سینے میں پتھر نہیں دل تھا۔

جھوٹ گھڑنا اور نفرت پھیلانا

مسلمانوں کے اہل علم میں مختلف علمی چیزوں پر ہر دور میں بڑے اختلافات رہے ہیں۔ عقائد کی تشریح سے لے کر عبادات تک اور فہم دین کے اصولوں سے لے کر جزئی فقہی معاملات تک مسلمانوں کی علمی روایت اختلاف رائے سے بھری ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے یہ دور جدید کا خاصہ ہے کہ اب اختلاف رائے کے ساتھ جھوٹی مہمیں چلانا، اپنے سے مختلف علمی زاویہ نظر رکھنے والے اہل علم کو بدنام کرنا، ان کے خلاف نفرت پھیلانا، پورے اعتماد سے الزام و بہتان لگانا مذہبی لوگوں کا عام وطیرہ بن گیا ہے۔ جھوٹا قرآن گھڑنے سے لے کر دین میں تحریف تک کے الزامات اس اعتماد سے لگائے جاتے ہیں کہ گویا الزام لگانے والے وقت کے پیغمبر ہوں۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری رکھنے والوں سے لے کر ایک عام مذہبی شخص تک لوگ بے حجابانہ یہ کام کرتے ہیں اور کوئی شرم، کوئی حیا اور کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔

اپنے جھوٹ پر اتنے اعتماد کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ لوگوں پر اس جرم کی شناعت واضح نہیں۔ یہ سبب بھی نہیں ہوتا کہ لوگ ان جرائم کی سزاؤں سے واقف نہ ہوں۔ کیا لوگ نہیں جانتے کہ سرکار دو عالم نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بلا تحقیق پھیلا دے۔ کیا لوگ نہیں جانتے کہ بہتان پر قرآن مجید میں کتنی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

بات صرف اتنی ہے کہ جو جھوٹ اور نفرت پھیلاتے ہیں، وہ اسے ایک دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص ہے تو فتنہ اور برائی ہی۔ چنانچہ اس برائی کے خلاف اگر جھوٹ بھی بول دیا جائے تو کیا حرج ہے۔ لوگ اس شخص سے متنفر ہوں گے تو ایک برائی سے دور ہو جائیں گے۔ چنانچہ ہمارے ہاں اطمینان سے لوگوں کو منکر حدیث، منکر جہاد، مغرب کا ایجنٹ، استعمار کا کارندہ، جھوٹا قرآن گھڑنے والا وغیر کے خطاب دے دیے جاتے ہیں۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح جھوٹ بول کر وہ ایک نیکی کر رہے ہیں۔ تاہم یہ انداز فکر ایک خوفناک غلطی اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ وہ غلطی یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو بات ان کو سمجھ آگئی وہ آخری حق ہے۔ اور جو ان سے اختلاف کر رہا ہے وہ باطل پر کھڑا ہے اور باطل کو پھیلا رہا ہے۔ چنانچہ خود کو حق اور دوسرے کو باطل سمجھنے کی سوچ ہی اصل خرابی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں حق صرف انبیاء علھیم السلام کے پاس ہوتا ہے۔ باقی لوگ صرف رائے قائم کر سکتے ہیں جو صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی۔ ختم نبوت کے بعد اب چونکہ کسی نبی کو نہیں آنا اس لیے قیامت سے قبل یہ معلوم بھی نہیں ہوسکتا کہ کسی معاملے میں کس کی رائے درست تھی اور کس کی غلط۔ چنانچہ اب تو یہ حق کسی کے پاس نہیں کہ خود کو حق اور دوسرے کو باطل خیال کرے۔ خود کو سچائی کا نمائندہ اور دوسروں کو شیطان کا ایجنٹ قرار دے۔

اس حوالے سے عام لوگوں کی ذمہ داری بھی بہت زیادہ ہے۔ جھوٹ ایک مذہبی شخص پھیلاتا ہے۔ عام لوگ اس کے ظاہر سے متاثر ہوکر اس پر یقین کر لیتے ہیں اور اس جھوٹ کو آگے پھیلاتے ہیں۔ خاص کر انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے دور میں تو یہ چیز بہت آسان ہوگئی ہے۔ پہلے جو کام زبان سے ایک شخص سے دوسرے تک منتقل ہوتا تھا اب وہ ان ذرائع سے کئی لوگوں تک منتقل ہو جاتا ہے۔

ایسے میں عام لوگوں کو حضور کا وہ فرمان یاد رکھنا چاہیے کہ کسی سنی سنائی بات کو آگے پھیلانا جھوٹ کے زمرے میں آتا ہے۔ اور یہ کہ کسی کو کافر یا اسی نوعیت کا کوئی خطاب دیا جائے گا تو اگر غلط ہے تو کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں جھوٹ اور نفرت پھیلانا جتنا آسان ہے۔ اس کی سزا اتنی ہی سخت ہے۔ لوگوں کو اتنا ہی جرم کرنا چاہیے جتنی سزا وہ برداشت کر سکیں۔

قطعی الدلالۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کے کلام اور اپنی لائی ہوئی ہدایت کے طور پر دنیا کو منتقل کیا ہے۔ علمی طور پر یہ وہ مسلمہ ترین کلام ہے جو آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر اللہ اور رسول کی نسبت سے پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ قرآن مجید کی اس حیثیت کو تسلیم کیا ہے اور اس کی بیان کی ہوئی ہر بات ان کے ہاں ایک مسلمہ حقیقت کا درجہ رکھتی ہے۔

تاہم اہل علم کے سامنے ایک مسئلہ یہ آتا رہا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی بات اگر کسی دوسرے ذریعہ علم سے حاصل ہونے والی کسی مسلمہ حقیقت کے خلاف سامنے آجائے تو کیا کیا جائے۔ جب یہ مسئلہ سامنے آیا تو اس کا ایک جواب یہ دیا گیا کہ قرآن کو قطعی الدلالۃ نہ مانا جائے۔ یعنی یہ مان لیا جائے کہ بعض اوقات قرآن مجید کے الفاظ سے جو معنی ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ مراد نہیں ہوتے۔ ایسے میں قرآن مجید کے الفاظ کو ان کے ظاہری معنوں سے پھیر کر کچھ اور مراد لیا جاسکتا ہے۔

مثال کے طور پر قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا، (البقرہ 286:2)۔ لیکن ہم صبح و شام دیکھتے ہیں کہ لوگوں پر ان کی بساط سے زیادہ بوجھ پڑتا ہے۔ موت کا واقعہ اس کی سب سے عام مثال ہے۔ موت آتی ہی اس لیے ہے کہ انسان پر اس کی استعداد سے زیادہ بڑی بیماری یا آفت آجاتی ہے۔

اس نقطہ نظر نے ایک مسئلہ تو بظاہر حل کر دیا لیکن ایک اور زیادہ بڑا مسئلہ پیدا کر دیا۔ وہ یہ کہ کوئی بھی گروہ کسی بھی وجہ سے قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کو مانتے ہوئے اس کا کوئی بھی مطلب بیان کرسکتا ہے جو اس کے ظاہری الفاظ کے بالکل خلاف ہو۔ اس کی ایک مثال زمانہ قدیم کے باطنی نقطہ نظر کی تفاسیر ہیں۔ اس کی ایک اور مثال انیسویں صدی کی اس سائنسی ترقی سے متاثر ہو کر لکھی گئی تفاسیر ہیں جس کے مطابق مادہ آخری حقیقت تھا۔ چنانچہ ان تفاسیر میں قرآن مجید

میں بیان کردہ ہر خلاف عادت اور غیر مادی حقیقت کی وہ توجیہہ کی گئی ہے جسے اس کے الفاظ قبول نہیں کرتے۔ مگر چونکہ یہ اصول علمی طور پر مان لیا گیا ہے کہ قرآن قطعی الدلالۃ نہیں ہے، اس لیے ایسے لوگوں کے خلاف فتوے تو دیے جاسکتے ہیں، کوئی مدلل علمی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ جب ایک اصول کو آپ اپنی وجوہات کی بنا پر مان چکے ہیں تو دوسرے شخص کو اُس کی اپنی وجوہات کی بنا پر یہ اصول استعمال کرنے پر کیسے غلط ثابت کیا جا سکتا ہے؟

ایک ایسے دور میں جب اہل اسلام کی سیاسی اور تہذیبی برتری ختم ہو چکی تھی اور سوائے معقول دلیل کے قرآن کے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ایک محقق امام فراہی کو استعمال کر کے اس مسئلے کو علم کی دنیا میں ہمیشہ کے لیے حل کرا دیا۔

امام فراہی نے اس بات کو واضح کر دیا کہ قرآن مجید اپنے آپ کو فرقان اور میزان کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یعنی یہ وہ کسوٹی ہے جس پر ہر دوسری چیز کو پرکھ کر اس کے صحیح و سقم ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا اور یہ وہ ترازو ہے جس پر تول کر ہر دوسری چیز کا وزن کیا جائے گا۔ کوئی دوسری چیز قرآن کو پرکھ کر یا تول کر اس کے صحیح و غلط ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ تاہم یہ بات واضح رہے کہ خود قرآن کریم قریش کی ادب عالیہ کی زبان میں نازل ہوا ہے اور امت تک منفرد آیات کے بجائے سورتوں اور کتاب کی شکل میں منظّم کر کے منتقل کیا گیا ہے۔ ان دو حقیقتوں کو سامنے رکھ کر ہی قرآن کے الفاظ سے معنی اخذ کرنا چاہیے۔ ہم دو مثالوں سے اسے واضح کرتے ہیں۔

اوپر ہم نے قرآن کی وہ بات نقل کی ہے کہ اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس بات کو مجرد کر کے پڑھا جائے تو یقیناً یہ خلاف واقعہ ہے۔ لیکن جیسے ہی نظم کلام کی روشنی میں پڑھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ اگلا جملہ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اُس جان کو وہی بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور وہ وہی بھرے گا جو کرے گا۔ اس دوسرے جملے نے پہلی بات کا موقع

محل واضح کردیا۔ یعنی کسی جان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنے کا تعلق عام زندگی سے نہیں بلکہ شریعت کے احکام سے ہے جن پر عمل کرنے یا نہ کرنے پر آخرت میں جزا و سزا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس کی وجہ سے مثال کے طور پر حج بشرط استطاعت اور زکوۃ بشرط نصاب فرض ہوتی ہے۔ اسی اصول کی بنا پر بیمار کو غسل اور وضو کی جگہ تیمّم کی اجازت ہے۔ اس طرح دیکھنے سے ہر چیز اپنی جگہ درست بیٹھ گئی۔

دوسری مثال اس جملے کی ہے جو سورہ کہف آیت 86 میں ذوالقرنین کے حوالے سے بیان ہوا کہ جب وہ سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچا تو اسے دیکھا کہ وہ ایک سیاہ چشمے میں ڈوبتا ہے۔ یہ بیان بظاہر سائنسی لحاظ سے غلط ہے۔ جدید سائنس کے علم کے مطابق سورج نہ طلوع ہوتا ہے نہ غروب ہوتا ہے۔ یہ صرف بصری دھوکہ ہے۔ اصل میں زمین کی محوری گردش ہے جس سے یہ واقعہ پیش آتا ہے۔

تاہم یہ بات اگر ذہن میں رہے کہ قرآن مجید ادبی اسلوب میں کلام کرتا ہے تو کوئی اشکال نہیں رہتا۔ ادب اور مکالمہ کی زبان میں آج بھی سورج ڈوبنا اور غروب ہونا ہی بولا جاتا ہے۔ ذوالقرنین مغربی سمت فتوحات کرتا ہوا موجودہ ترکی کے مغربی ساحل پر بحیرہ ایجین تک آ پہنچا تھا۔ بحیرہ ایجین کے خلیجی علاقوں میں سمندر میں سورج ڈوبنے کا جیسا منظر ذوالقرنین کو نظر آیا قرآن نے بعینہٖ بڑے خوبصورت ادبی پیرائے میں اسی بات کو بیان کردیا۔

خلاصہ بحث یہ کہ قرآن کے قطعی الدلالۃ نہ ہونے والی بات قرآن نے ہرگز نہیں کی نہ علم و عقل اس کو قبول کرنے کو تیار ہیں بلکہ قرآن کے بیانات تو اس کے عین برعکس ہیں۔ یہ بات ہمارے اہل علم نے ایک مسئلے کے حل کے لیے بیان کی تھی۔ اللہ نے ایک خادم قرآن سے اس مسئلے کو حل کرا دیا تو اللہ کا شکر کرنا چاہیے نہ کہ خلاف قرآن اور خلاف عقل باتوں پر اصرار کر کے اپنا اور دوسروں کا وقت برباد کرنا چاہیے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عقیل

شیطان کا طریقہ واردات

ہمارے مذہبی لٹریچر میں شیطان پر کافی بحثیں کی گئی ہیں کہ وہ ازلی ہے یا ابدی، فرشتہ ہے یا جن، شکل وصورت کیسی ہے، رہتا کہاں ہے، کھاتا پیتا کیا ہے وغیرہ۔ لیکن قرآن نے شیطان کے ان پہلوؤں کی بجائے اس بات پر فوکس کیا ہے کہ وہ کس طرح انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قرآن نے اس کا سب سے بڑا ہتھیار وسوسہ انگیزی ہی کو قرار دیا ہے۔

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ شیطان کا انسان پر کوئی زور نہیں اور وہ صرف وسوسہ انگیزی کے ذریعے ہی انسان کو اکسا سکتا ہے۔ یہ وسوسہ انگیزی شیطان ہمیشہ انسان کے ان جبلی تقاضوں کے حوالے سے کرتا ہے جو مادی اور حیوانی پس منظر کی بنا پر انسانی شخصیت کا ایک لازمی حصہ ہوتے ہیں۔ جیسے جنس کا جذبہ، انانیت، حرص وغیرہ۔ وہ انہیں کمزور پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے وسوسہ انگیزی کرتا ہے۔

قرآن مجید سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ وسوسے ڈالنے والے شیاطین انسانوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور جنوں میں سے بھی۔ وسوسے انسانی شیاطین کی جانب سے آئیں یا جناتی شیطانوں کی طرف سے۔ ایک انسان ان کو مکمل طور پر رد کرنے پر قادر ہے۔ ان سے بچنے کا طریقہ بہت آسان ہے۔ جونہی ہمیں یہ محسوس ہو کہ شیطان نے وسوسہ انگیزی کی ہے تو ہمیں اللہ سے پناہ طلب کرنی چاہئے۔ اس پناہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر کی قوتیں یعنی فرشتے ہماری حفاظت پر مامور کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جب شیطان وسوسے ڈالتا ہے تو اللہ سے پناہ مانگنے پر فرشتے شیطان کی چالوں کو ہم پر واضح کر دیتے اور ہمارے اندر مزاحمت پیدا کر دیتے ہیں۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ کس طرح ان چالوں کو سمجھ کر جواب دیں۔ اس کے علاوہ فرشتے شیطان کی

جانب سے پیدا کی گئی منفی سوچوں کے جواب میں سکینت نازل کرتے اور مثبت سوچیں پیدا کرکے ہماری معاونت کرتے ہیں۔لیکن فرشتوں کا یہ ساتھ انہی کو ملتا ہے جو شیطان کو دھتکار کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔

دوسرا اہم قدم یہ ہے کہ ہم علم حاصل کریں۔اگر ہمیں صحیح و غلط کی تمیز ہوگی تب ہی ہم شیطانی وسوسوں اور چالوں کو پہچان سکتے ہیں۔تیسرا قدم یہ کہ ہم عمل بہتر بنائیں۔ایک شخص جو گناہوں کی زندگی میں ملوث ہو، شیطان کا باآسانی شکار بن جاتا ہے۔آخری قدم یہ کہ ہم اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے نقش قدم پر چلیں کیونکہ اللہ کے چنے ہوئے بندوں پر شیطان کا زور نہیں چلتا۔ اور جب ہم ان کے نقش قدم پر چلیں گے تو عین ممکن ہے کہ ہم بھی شیطان کی دراندازیوں سے محفوظ رہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۔ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ
(سورۃ المومنون 23 :98-97)

نیز یہ دعا کرتے رہیئے کہ: پروردگار! میں شیطان کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

فرح رضوان

روح کی بھوک

کیا بات ہے ہماری پوری قوم ہی بڑی دیالو واقع ہوئی ہے، جگہ جگہ لوگ انفرادی یا اجتماعی طور پر مفلس کی پکار پر تڑپ اٹھتے ہیں۔ مجبور کی مدد کو لپک اٹھتے ہیں، مظلوم پر ظلم پر بھڑک اٹھتے ہیں۔ بھوکا انسان تو کیا جانور بھی ہو تو اپنے مونہہ کا نوالہ اسے دے ڈالتے ہیں......اس قوم کو سب کا درد دکھائی دیتا ہے سب کی آہ وفغاں سنائی دیتی ہے......سوائے اپنی روح کے۔

روح کو بھی تو خوراک درکار ہے۔ وہ بھوکی ہے اپنے گھر میں رہتے ہوئے بے گھر، بے ردا، بے آسرا، بے سروسامان، بے وقعت، بے مراد، بے مہر پڑی سسک رہی ہے۔ اللہ کے بندو کوئی اس کی بھی تو سن لو کہ کیا کیا مظالم وہ دن رات سہہ رہی ہے، تم عافیہ صدیقی پر مظالم پر تڑپ کر حکومتوں کو، سربراہان کو گالیاں دیتے ہو، کہ قوم کی عزت کو بیچ ڈالا، جبکہ خود اپنی ہی روح کی عصمت کا صبح شام میں کئی بار کیسا کیسا سودا کرتے ہو۔

ایدھی صاحب کی عظمت کے اعتراف میں یہ کہنا بہت آسان ہے کہ وہ گندے نالوں میں پڑی بوسیدہ لاشوں کو، جن سے ان کے گھر والے بھی گھن محسوس کرتے تھے ان کو بھی غسل دے کر ان کی آخری آرام گاہ کے سپرد کرتے......ناجائز اور بے یارومددگار بچوں کو کچرے سے اٹھا کر پالتے پڑھاتے کارآمد انسان بناتے......لیکن ہم خود کیا اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ گندی غلیظ صحبتوں کے نالے میں پڑی بساندزدہ اپنی ہی روح کو نکال لیں؟ اسے توبہ کا غسل دیں، اچھی صحبت کی مہک دیں، اس لاغر لاچار ادھ مری روح کو کوئی عبادت کی آکسیجن، ذکر کا ٹانک، خدا خوفی کی ویکسین فراہم کریں؟ ہم وہی ہیں ناں! جو انجان غریب نادار کو علاج کے لئے بنا رقم گنے جیب میں جو کچھ موجود ہو دے ڈالتے ہیں تو اللہ کے بندو اللہ کے نام پر اس مسکین غریب بیمار بھوکی لاچار روح کو بھی کچھ بھیک دے دو، کوئی چھت کوئی چھپر سائبان کا بندوبست کردو۔ اللہ سب کا بھلا کرے۔

فرح رضوان

خالہ کے گھر

بہت سال پہلے کی بات ہے، تب میں نے سکول جانا شروع کیا تھا یا نہیں یہ تو یاد نہیں، جو یاد ہے وہ یہ کہ میرے بڑے بھائی کو اچانک سے ڈپتھیریا ہو گیا، اس خطرناک مرض کی وجہ سے امی کو بھی، نجانے کتنے سارے دن بھائی کے ساتھ ہی ہسپتال میں رہنا پڑا۔ ابو کے روزگار کی مصروفیت کے سبب، سبھی نے یہ فیصلہ کیا کہ ان دنوں میرا خالہ جان کے گھر پر رہنا ہی مناسب ہے۔

وہاں وہ شان اور عیش تھے میرے کہ جیسے کوئی شہزادی۔ خالہ جان کا گھر ان کے دل کی سلطنت کی طرح کافی کشادہ تھا۔ بلا شبہ وہ ملکہ عالیہ تو تھیں ہی لیکن! حکومتی انتظام...... وہ ان دنوں میرے سپرد کر دیے گئے تھے۔ خالہ جان نے ایک بہت ہی خوبصورت سا پرس، جو شاید گولڈن ستاروں والا تھا، مجھے عطا کر دیا، ہر روز صبح ناشتے سے فرصت کے بعد بلا ناغہ اس میں ڈھیر سارے چلر وہ مجھے بھر کر دے دیا کرتیں، تا کہ روزمرہ کے تعمیراتی کاموں میں حکومتی اخراجات بر وقت اور بخوبی کیے جا سکیں۔ اور میں مزے سے پورا دن ذمہ داری کا یہ بار خوشی خوشی اٹھائے رعایہ کے درمیان ہی رہتی کہ نجانے ان میں سے کب کس کو ضرورت پڑ جائے۔

ان کی سلطنت، میں دھوبی کپڑے لے کر آتا اور اسے اجرت دینی ہوتی تو میری ضرورت پڑ جاتی۔ نہ مجھے پیسے گننے آتے نہ حساب ہی لینا، ملکہ عالیہ ہی بذات خود بیشتر امور میں میری مددگار ہوتیں، چوکیدار کے پیسے، دودھ والے کے...... یہاں تک کہ جب کوئی گھر کا سودا لینے جاتا تو اسے میری خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنا پڑتا کہ کس وجہ سے اسے مالی امداد کی ضرورت پیش آ گئی ہے اور کتنی۔

مضبوط چٹکی والا پرس مابدولت سے کھل بھی نہ پاتا تھا سودا لانے والا ہی پرس کھول کر واپس پکڑا دیتا، کہ اسے اپنے دست مبارک سے ہدیہ عطا کر دیا جائے، لیکن پھر مابدولت کی گنتی سے

نا آشنائی کی بنا پر خود ہی پیسے لے لیا کرتا، کم زیادہ یا سارے مجھے اس کی فکر ہی نہیں تھی کہ پیسے اس طرح ختم بھی ہو سکتے ہیں، کون سی میری خاندانی دولت تھی کہ میں خزانے کا سانپ بن کر اس پر بیٹھ جاتی، اور میں سوالی سے بہت پوچھ تاچھ یوں بھی نہ کرتی کہ مجھے پتہ تھا کہ سلطنت کی ملکہ نے یہ رقم مجھے انہی کاموں پر خرچ کرنے کے لیے ہی تو سونپی ہے۔ بچا بچا کر ان کو واپس کر دینے کے لیے نہیں، اپنے پیچھے چھوڑ جانے کے لیے نہیں۔

ساتھ ہی یہ بھی علم تھا کہ مال کے وزن سے بھرے پرس کے بوجھ کو کم کر دینے کے لیے مجھے اسے کہیں بھی اپنی مرضی سے ٹھکانے نہیں لگا دینا ہے اور نہ ہی اپنی ملکیت جان کر اپنے کپڑوں کے بیگ میں سینت سینت کر رکھنا ہے، نہ ہی باہر گزرتے ہر ٹھیلے کو روک کر ہر ایک چٹخارے سے لطف اندوز ہونا ہے۔ مجھے یہ بھی یقین رہتا کہ صبح صبح سب کام شروع ہونے سے پہلے مجھے پھر سے بھرا ہوا پرس مل جانا ہے۔ کیسے؟ یہ کبھی سوچا ہی نہیں۔ کب تک؟ یقیناً میرے وہاں قیام تک اور اس سے آگے! وہ میرے کس کام کا تھا بھلا؟

الحمدللہ یہ ہوتا ہے بزرگوں کا فیض، جو ہمارے معاشرے میں اللہ کے فضل سے اب تک قائم ہے کہ کوئی قرآن کا مکمل فہم رکھتا ہو یا نہیں، لیکن اپنے اپنے بچوں میں بلکہ نسلوں میں کسی نہ کسی صورت وَمِمَّا رَزَقْنَـٰهُمْ يُنفِقُونَ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں) کا سبق ابتدا ہی سے پکا کروا دیتے ہیں اور ایک بندۂ مؤمن کو رزق سے متعلق بس کچھ ہی نکات سمجھ لینا بھی کافی ہو جایا کرتے ہیں۔

رزق سے مراد فقط مال ہی لے لیا جائے تو اگر یہ مال صرف اللہ کی راہ میں درست طریقے سے خرچ کیا جائے تو یہ عمل سخاوت، اور ایسا کرنے والا اللہ کے ہاں سخی کہلائے گا۔ جبکہ دوسری صورت میں اپنی مرضی، مستی اور ناموری کے شوق، یا پھر جگ ہنسائی کے خوف سے خرچ کرے گا تو یہ عمل سراسر فضول خرچی اور کرنے والا شیطان کا بھائی کہلائے گا۔ اور یہی دوسرا نکتہ دراصل

پہلے، اور ذرا سے پوشیدہ، یا محو نکتے کو سامنے لاتا ہے کہ انسان محض اپنی صحت طاقت نسب وحکمت کے بل بوتے پر رزق نہیں حاصل کر لیتا، بلکہ رزق عطا کرنے والی ذات اللہ کی ہے جو مالک الملک ہے، تو جن کاموں کی اہمیت اس کے دربار میں ہے ان ہی پر یہ مال خرچ کیا جائے۔اور تیسرا اہم نکتہ یہ کہ عبدالرزاق، الرزاق کی اس تقسیم پر نہ صرف راضی اور عملی طور پر شکر گذار ہو بلکہ اس کی نیت میں بھی اخلاص ضرور ہو، تو وہ خیر و برکت کے خزانے پاتا ہے، اور راضی نہ رہنے والا حسد کی آگ میں اپنا آپ اپنی نیکیاں اپنی خوشیاں سبھی کچھ جلا کر خاک ہو جاتا ہے۔

اصل میں تو رزق کا مطلب، رب کی طرف سے انسان کو بخشی ہوئی ہر ہر طرح کی نعمت، صلاحیت، تعلق، وقت، موقع سبھی کچھ ہے۔جس کا درست یا غلط استعمال ہی انسان کا امتحان ہے۔اور کیونکہ یہ رزق بانٹنے والی صفت قرآن میں متقین کی بیان کی گئی ہے تو متقی تو صرف بندۂ مؤمن ہی ہوسکتا ہے۔

مومن کی ایک صفت یہ بھی ہوتی ہے، کہ وہ بھولا بھالا ہوتا ہے، معصوم بچے کی طرح۔تب ہی تو وہ مالک الملک کا تھمایا ہوا رزق سے بھرا اپنا اپنا گولڈن پرس پکڑے پل پل اپنی رعیت کی خبر گیری میں رہنے کی کوشش کرتا ہے کہ نہ جانے کب کس کو کیا ضرورت پڑ جائے۔اس کا توکل اور دینے والے پر بھروسہ اسے اس ٹینشن سے نجات دے دیتا ہے کہ اگر آج یہ رزق فلاں فلاں کام میں خرچ کر دیا تو کل اس کے پاس مزید کہاں سے آئے گا۔کیونکہ اس کی کل دنیا کی کل نہیں ہوتی آخرت ہوتی ہے تو وہ بہت سی کلکل سے بچتا اور کسی کل نچلا نہیں بیٹھتا، ایک پراجیکٹ تکمیل پر ہوتا نہیں کہ دوسرا شروع اور یہ کیا ہے بھلا؟ یہی تو موقع ہوتا ہے نیکی کمانے کا۔رب کو راضی کرنے کا۔اور موقع کیا ہے؟ یہ بھی تو رزق ہی ہے ماشا اللہ۔کس کی طرف سے؟ وہی جو الرزاق ہے، جس کی سلطنت ہے، جو مالک الملک ہے، رب العالمین ہے۔ سبحان اللہ

سوال وجواب

ابو یحییٰ/عابدہ ہارون

ہمیں کس کی پیروی کرنا چاہیے؟

سوال:

سر میں آپ کی کتاب ''تیسری روشنی'' پڑھ رہی تھی کہ کیسے آپ نے تمام مکاتب فکر کا مطالعہ کیا اور آپ ماشاءاللہ سب کا ہی احترام کرتے ہیں۔

میں آپ کی رائے سے مکمل اتفاق کرتی ہوں کہ ہمیں دوسروں کے فیصلے نہیں کرنے چاہئیں کہ دلوں کے حال صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتے ہیں۔لیکن اس صورت میں پھر ہمیں کس کی اتباع کرنی چاہیے؟ اور ہمیں کیسے پتہ چلے کہ کون اس راستے کے زیادہ قریب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے۔ زینب طارق

جواب:

ہمیں صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اتباع کرنی چاہیے۔آپ کی ہستی ہی اب رہتی دنیا تک دین کا تنہا ماخذ ہے۔علماء اور دیگر تمام لوگ دین کے حوالے سے اپنے فہم کو بیان کریں گے۔اس کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کس کی دلیل مضبوط ہے۔مختصر یہ کہ ہمیں علماء کے پیش کردہ دلائل کو دیکھنا ہے اور ان کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر پرکھنا ہے۔اگر وہ دلائل قرآن اور سنت کے مطابق ہیں تو ہم انہیں قبول کرلیں گے وگرنہ ہم انہیں رد کردیں گے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ نجات کے لیے جو امور ضروری ہیں وہ ہمارے دین میں انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان کردیے گئے ہیں۔ہمیں ان پر عمل کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت ہے اور نہ خود کو کسی فرقے سے جوڑنے کی حاجت ہے۔مزید یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نجات کے لیے جو امور دینی تعلیم میں بیان ہوئے ہیں ان میں علماء کا کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔

والسلام

ابو یحییٰ (اردو ترجمہ عابد علی)

دنیا میں ہدایت کا انتظام

سوال:

السلام علیکم

سر آپ کی کتابیں یقیناً بہت اچھی ہیں لیکن کیا اسلام میں ایسے واقعات لکھنے کی اجازت ہے جو وقوع پذیر ہوئے ہی نہیں مثلاً اسلامی ناولز یا دیگر مصنفین کے تحریر کردہ عمومی ناولز وغیرہ۔

میرا ایک سوال آپ کے ناول کے حوالے سے بھی ہے۔ جیسا کہ ناول میں ذکر ہوا ہے کہ ناعمہ نے عصر کے ساتھ سچائی کو پا لیا لیکن یہ ہماری زندگیوں میں تو نہیں ہوتا تو اس صورت میں ہم سچائی کو کیسے سمجھیں؟ اقصیٰ عزیز

جواب:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا فکشن اور نان فکشن ناول نگاری کی اجازت کے حوالے سے جو سوال ہے تو اس میں اگر کوئی اخلاقی سبق موجود ہو تو ایسی کہانیاں لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر مصنف ہمیں واضح طور پر بتا بھی دے کہ کہانی فکشن پر مبنی ہے تو اس کے سچ یا جھوٹ ہونے میں کوئی شبہ بھی باقی نہیں رہتا۔

اسلام میں ایک بنیادی قانون ہے کہ دنیاوی معاملات میں ہر چیز کی اجازت ہے جب تک کہ یہ حرام ثابت نہ ہو جائے۔ اور قرآن وسنت میں ہمارے علم کی حد تک ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے اس طرح کی چیزوں کو حرام قرار دیا جا سکے۔

دوسرے سوال میں آپ نے پوچھا کہ ناعمہ کو خواب کے ذریعے سے ہدایت ملی لیکن یہ ہر کسی

کی حقیقی زندگی میں نہیں ہوتا۔ حقیقی زندگی میں ہدایت کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اپنی کتابیں بھیجی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود مداخلت فرمائی اور قرآن کے ذریعے سے ہم سے مخاطب ہوئے۔ یہ کیا کم عزت وشرف کی بات ہے کہ ہمارے پاس قرآن کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا کلام موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح طور پر ہدایت دی ہے اور جو اس ہدایت کی پیروی کریں ان کے لیے جنت کی گارنٹی بھی ساتھ ہی دی ہے۔ قرآن ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت ہی عظیم نعمت ہے، یہ دونوں جہانوں میں ہماری کامیابی کا فارمولا ہے مگر افسوس کہ ہم نے قرآنی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

اگر آپ کو قرآن کی ہدایت کے بارے میں مزید پڑھنا ہے تو سر ابو یحییٰ صاحب کی کتاب ''قرآن کا مطلوب انسان'' کا مطالعہ کیجیے جس میں انہوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مومن کو کیسا دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ کامیاب ہو سکے۔ سر ابو یحییٰ صاحب نے ایک آن لائن کورس بھی ''قرآن کا مطلوب انسان'' پر کروایا ہے جس کی ریکارڈنگ آپ ادارہ انذار کی ویب سائٹ سے بالکل فری حاصل کر سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کے راستے کی طرف رہنمائی فرمائے اور پھر اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

عابدہ ہارون (اردو ترجمہ عابد علی)

نوٹ: اس سوال کا جواب سر ابو یحییٰ سے گفتگو کر کے دیا گیا ہے۔

\-------------

اللہ کی رحمت

سوال: السلام علیکم

آپ کی کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' میں تقریباً 15 مرتبہ پڑھ چکا ہوں۔ ہر دفعہ ایسے لگتا ہے جیسے پہلی دفعہ پڑھ رہا ہوں۔ میرے خیال سے ایک اہم خوبی اس کتاب کی جو اسے باقیوں سے ممتاز بناتی ہے وہ یہ کہ یہ کتاب رغبت دلاتی ہے۔ اللہ کی ملاقات کا شوق پیدا کرتی ہے۔ جبکہ باقی کتب ڈر اور خوف پیدا کرتی ہیں۔ میں آج تک سمجھ نہیں پایا کہ اپنے بندوں پر اتنی مہربان ذات کی محبت پیدا کرنے کے بجائے اسے ایسے کیوں بنا کر پیش کرتے ہیں جیسے وہ جہنم بڑھکا کر بیٹھا ہے اور ہر آنے والے کو پکڑ پکڑ کر اس میں پھینک رہا ہے۔ مالک خان

جواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ اصلاً ایک رحمان و رحیم ہستی ہیں۔ ان کا یہی تعارف قرآن مجید کراتا ہے۔ یہی تعارف سورہ فاتحہ میں ہے جو ہر نماز کا لازمی جز ہے۔ یہی ہر سورت کے آغاز پر اللہ کا تعارف لکھا ہے کہ وہ رحمٰن ورحیم ہے۔ باقی رہا وہ سوال جو آپ نے اٹھایا تو اللہ کا یہ منفی تصور کہ وہ صرف لوگوں کو جہنم میں بھیجے گا اس وجہ سے عام ہوگیا ہے کہ لوگ قرآن مجید کو درست پیرائے میں نہیں پڑھتے۔ جہنم کفر اور سرکشی کی سزا ہے۔ قرآن مجید میں جو لوگ زیر بحث ہیں وہ عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ میں سے وہ کفار اور سرکش لوگ ہیں جنھوں نے حق کو جھٹلا دیا تھا۔ جس کے بعد ان پر سزا لازم ہوگئی تھی۔ جہنم کا جو ذکر قرآن مجید میں ہے وہ انھی لوگوں کے حوالے سے ہے۔ باقی لوگوں کا فیصلہ اللہ قیامت کے دن کریں گے۔ اگر کوئی شخص آج بھی سرکش، متکبر اور بڑے جرائم کا مرتکب ہے تو وہ یہ سزا پائے گا لیکن عام لوگ بالعموم ایسے نہیں ہوتے۔ ان کے بارے میں قرآن مجید اس طرح کی سزا کا تصور نہیں دیتا۔ یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ بڑے کریم و حلیم ہیں۔ خاص کر جو لوگ اپنے گناہوں کے احساس میں جیتے ہوں ان کے لیے تو وہ بہت کریم غفور اور ودود ثابت ہوتے ہیں۔ والسلام۔ ابویحییٰ

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (32)

دین کی بنیادی دعوت

دین کی بنیادی دعوت کے ضمن میں ہم نے یہ دیکھا کہ دعوت عبادت رب وہ بنیادی پیغام ہے جو قرآن مجید اپنے قارئین کے سامنے رکھتا ہے۔ اس کا ایک پہلو وہ ہے جس پر ہم پیچھے تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں کہ قرآن مجید ایک اللہ پر ایمان اور اس کی بندگی کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن یہ دعوت کسی طور پر منوائی نہیں جاسکتی جب تک کہ یہ بات پوری شرح و وضاحت اور وثوق کے ساتھ واضح نہ کر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود سمجھنا، اس کی بندگی میں کسی پہلو سے کسی کو شریک قرار دینا ایک غلط اور بے بنیاد رویہ ہے۔ یہی دعوتِ عبادت رب کا وہ دوسرا پہلو ہے جس پر ذیل میں ہم تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

غیر اللہ کی عبادت اور شرک کی نفی

قرآن مجید اس بات کو جگہ جگہ بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس دنیا میں اپنی ذات کا شعور فطری اور تاریخی دونوں پہلوؤں سے دے کر بھیجا ہے۔ وجود باری تعالیٰ کے دلائل کے ضمن میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ عہد الست کے موقع پر انسانوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ اس کے ساتھ موجودہ شکل میں انسان کی تخلیق کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا کو باقاعدہ اپنی ذات سے متعارف کروا کر اس دنیا میں بھیجا تھا۔ حضرت آدم کو مخاطبت کا شرف عطا کر کے منصب نبوت پر بھی فائز کیا گیا۔ یوں انسانوں کی ابتدائی نسلوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا وجود ایک فطری اور تاریخی سچائی تھی۔

تاہم اس کے ساتھ قرآن مجید یہ بھی واضح کرتا ہے کہ تخلیق آدم کے بعد شیطان نے جو کہ ابلیس نام کا ایک جن تھا، اللہ کے حکم کے باوجود نہ صرف ان کے سامنے جھکنے سے انکار کردیا تھا بلکہ یہ چیلنج بھی دیا تھا کہ شیطان کو اگر مہلت دی جائے تو وہ انسانوں کی اکثریت کو رب کی ناشکری اور خاص کر شرک میں مبتلا کر کے دم لے گا۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں ہر دور میں انسان شرک کے مرض کا شکار ہوتے رہے ہیں اور ایک اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو اپنی محبت، عبادت، اطاعت کا محور و مرکز بناتے رہے ہیں۔ چنانچہ زمانہ قدیم ہی سے یہ مرض تمام دنیا میں پھیل گیا۔ ہر قوم اور ہر گروہ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو معبود بناتی رہی۔ کچھ انسانوں کے مفادات اور باقی انسانوں کے توہمات کے باطل نکاح سے شرک کے بندھن نے جنم لیا۔ پھر اس حرام کاری کے نتیجے میں باطل معبودوں کی ایک دنیا وجود میں آئی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ دنیا کی ہر چیز معبود بنالی گئی۔ انسانوں نے اپنے جیسے انسانوں کو حکمرانوں کی شکل میں خدا کا اوتار اور صالحین کی شکل میں خدا کا ولی قرار دے کر ان کی پرستش کی۔ گائیں اور سانپ سے لے کر بندر اور ہاتھی تک کو مقدس ٹھہرالیا گیا۔ حیوانوں کی دنیا سے نیچے اتر کر پیپل اور برگد کو قابل تعظیم سمجھا گیا۔ زمین کی مخلوق سے لے کر آسمان کے چاند سورج اور تاروں سب کی عبادت کرڈالی۔ انسان پھر اس سے بھی نیچے اترا اور بے جان پتھروں کے سامنے جبین نیاز ٹیک دی۔ یہ بت پرستی تو ایک عالمگیر مذہب بن گئی جو آج کے دن تک اربوں انسانوں کا دین ہے۔ جب مظاہر کی دنیا سے تسکین نہ ملی تو نظر نہ آنے والی ہستیوں کی عقیدت کا بخار اٹھا۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بنالیا گیا۔ جنوں کو رب کا شریک قرار دیا گیا۔ مرنے والوں کی روحوں کو خدا کی خدائی میں حصہ دار سمجھا گیا۔ اور جس ہستی نے انسان کو اس کام پر لگایا یعنی اس کا دشمن شیطان، انسان نے اسی کو معبود بنالیا۔

یہ سلسلہ عبادت تک ہی نہ رکا بلکہ معبودان باطل کے نام پر سیاسی اور مذہبی لیڈرشپ نے

توہمات کی ایک دنیا آباد کی۔اس دنیا کے اپنے قوانین تھے اور اپنی شریعت تھی۔اپنی عبادت اور رسوم تھیں۔اپنے مناسک اور اپنے مراسم تھے۔ان کی پابندی اور اطاعت ایسے ہی ہوتی تھی جیسے اللہ کے حکم کی ہونی چاہیے۔اس مشرکانہ قانون سازی کے نتیجے میں انسان انسانوں کے غلام بنے۔لوگوں کی جان، مال، آبرو برباد ہوئی۔دنیا ظلم اور فساد سے بھر گئی۔اس کے نتیجے میں انسانوں نے اپنی تاریخ کا سب سے بڑا ظلم اپنے اوپر ڈھایا۔اسی لیے شرک ظلم عظیم قرار پایا۔

یہ تھی شرک کی وہ قدیم دنیا جس میں ہر سو غیر اللہ کی عبادت ہوتی تھی۔چنانچہ اس دنیا میں بار بار پیغمبروں کو بھیجا گیا۔یہ پیغمبر ایک طرف خدا کی بندگی کی دعوت دیتے اور دوسری طرف خدائی کے شریکوں کی بے وقعتی کو واضح کرتے۔قوم ان کا انکار کرتی اور آخر کار اللہ کے غضب کا شکار ہوکر تباہ ہوجاتی۔بچنے والے اہل ایمان نئے سرے سے توحید پر زندگی کا آغاز کرتے مگر صدیوں کے تعامل سے وہی شرک دوبارہ زندگی میں پھیل جاتا۔یہاں تک کہ قرآن مجید آخری پیغمبر پر نازل ہونا شروع ہوا۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہر ہر پہلو سے اس بات کو واضح کیا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔جو معبود سمجھے جاتے ہیں وہ بے جان پتھر ہیں جو ایک مکھی کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتے نہ اسے تخلیق کر سکتے ہیں۔یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ معبودان باطل وہ اجرام فلکی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوکر صبح وشام گردش میں ہیں۔جو خود تابع ہیں اور وقفے وقفے سے ڈوبتے رہتے ہیں۔یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ جھوٹے معبود وہ مرنے والے ہیں جن کو خود نہیں معلوم کہ وہ کب زندہ کیے جائیں گے۔جو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ معبود وہ جن وملک ہیں جن کا خدائی میں کوئی حصہ ہے نہ ان میں سے کوئی یہ جرات کرسکتا ہے کہ خدا کے علاوہ رب ہونے کا دعویٰ کرے۔یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ کوئی انسان، کوئی جن، کوئی فرشتہ، کوئی بت، کوئی سورج، چاند اور تارا، کوئی شجر، حجر یا حیوان، کوئی زندہ یا کوئی مردہ نہ معبود بننے کی قدرت

رکھتا، نہ طاقت رکھتا ہے، نہ دعویٰ کرسکتا ہے نہ دعویٰ کر کے اسے نبھا سکتا ہے کہ وہ معبود برحق ہے۔ہم نے اس بات کے استدلالی پہلو کو توحید کی دلیل قدرت کے ذیل میں معبودان باطل کے عجز کے عنوان سے تفصیل سے واضح کیا ہے۔

قرآن مجید استدلال کے ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا حق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اس کی پرستش کی جائے۔ ایک معبود کی حیثیت میں کسی کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔ کسی کے اذن پر حلال وحرام اور جائز وناجائز کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ مافوق الفطرت مدد کی امید پر کسی کے سامنے مشکلات سے بچنے اور کسی بھلائی کی امید پر دست سوال دراز نہیں کیا جاسکتا۔ نفع وضرر کے لیے کسی سے دعا نہیں مانگی جاسکتی۔ کسی کی خوشنودی کے لیے اس کے حضور نذر نہیں گردانی جاسکتی۔ کسی کا نام لے کر مویشیوں کو ذبح نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن نے یہ بھی بالکل قطعیت کے ساتھ واضح کیا کہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ یہ ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہیں جس کسی کے لیے چاہیں معاف کردیں، مگر شرک ناقابل معافی جرم ہے۔ یہ وہ جرم ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔

کسی کو اللہ کے حوالے سے کوئی غلط فہمی ہے تو وہ سن لے۔ اللہ یکتا ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں۔ نہ کوئی اس کا باپ، نہ بیٹا، نہ بیٹی نہ بیوی۔ اس کی خدائی اور اختیارات میں کوئی شریک نہیں۔ کائنات کی تخلیق اور اس کے چلانے میں اسے کسی کی مدد درکار نہیں۔ وہ سراپا قدرت ہے جبکہ ہر غیر سراپا عجز ہے۔ وہ سراپا عطا ہے۔ جبکہ ہر غیر سراپا احتیاج ہے۔ وہ ہر شے سے باخبر ہے۔ جبکہ ہر غیر صرف اس کے دیے ہوئے علم تک جانتا ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر مگر زمین وآسمان سے ماورا ہے۔ جبکہ ہر غیر زمان ومکان کا قیدی ہے۔ اسے کسی کی ضرورت نہیں۔ مگر سب کو اس کی ضرورت ہے۔ سب مرجائیں گے وہ زندہ رہے گا۔ وہ اپنی ذات میں محمود، ہر جگہ موجود، ہر ضعف سے

ناآشنا اور ہر تصور سے جدا ہے۔ سراپا جمال، سراپا کمال، سراپا جلال۔ اول، آخر، ظاہر، باطن۔ سراپا قدرت سراپا کرم۔ کوئی ہے ایسا خدا؟ کوئی ہے اس کے ساتھ شریک؟ کوئی ہے تخلیق کائنات یا تدبیر امور میں اس کا ساجھی؟ اس سا ہے تو سامنے آئے۔ اور اگر نہیں اور بلاشبہ نہیں ہے تو جان لینا چاہیے کہ وہی اللہ معبود برحق ہے۔ اس کے بالمقابل یا اس کے ساتھ کسی شجر وحجر، انسان وحیوان، جن وملک، اجرام فلکی غرض کسی بھی ہستی کو بندگی واستعانت کا مرجع اور نفع وضرر کا مالک سمجھ کر اس کا رخ نہ کیا جائے۔ نہ اس کی عبادت کی جائے نہ اسے پکارا جائے۔ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہ کبھی تھا، نہ ہے اور نہ کبھی ہوگا۔

لاالہ الااللہ۔ اللہ اکبر ۔ وللہ الحمد۔ سبحان اللہ عما یشرکون۔

قرآنی بیانات

''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے، وہ جنوں میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ تو کیا تم اس کو اور اس کی ذریت کو میرے سوا اپنا کارساز بناتے ہو، درآنحالیکہ وہ تمھارے دشمن ہیں؟ اور ظالموں کے لیے کیا ہی برا بدل ہے!'' (سورۃ کہف 18 :50)

''بے شک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔'' (سورۃ لقمان 31 :13)

''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہیں کیا وہ بولا کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا۔ اس نے کہا ذرا دیکھ تو اس کو جس کو تو نے مجھ پر عزت بخشی ہے اگر تو نے مجھے روز قیامت تک مہلت دے دی تو میں، ایک قدرے قلیل کے سوا، اس کی ساری ذریت کو چٹ کر جاؤں گا۔ فرمایا جا، جو ان میں سے تیرے پیرو بن جائیں گے تو جہنم تم سب کا پورا پورا بدلہ ہے۔ اور ان میں سے جن پر تیرا بس چلے ان کو اپنے غوغا سے گھبرا لے، ان پر اپنے سوار اور پیدل چڑھا لا، مال اور اولاد میں ان کا ساجھی بن جا اور ان سے وعدہ کر لے اور شیطان ان سے محض دھوکے ہی کے وعدے کرتا ہے۔ بے شک میرے اپنے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا اور تیرا رب کارسازی کے لیے

کافی ہے۔‘‘ (سورۃ بنی اسرائیل 17 :65-61)

’’بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس کے نیچے جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ یہ اس کے سوا پکارتے بھی ہیں تو دیویوں کو اور پکارتے بھی ہیں تو شیطان سرکش کو۔ اس پر اللہ کی پھٹکار ہے! اور اس نے کہہ رکھا ہے کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک معین حصہ ہتھیا کے رہوں گا، ان کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا، ان کو آرزوؤں کے جال میں پھنساؤں گا، ان کو سمجھاؤں گا تو وہ چوپایوں کے کان کاٹیں گے اور ان کو سمجھاؤں گا تو وہ خدا کی بنائی ہوئی ساخت کو بگاڑیں گے اور جو اللہ کے سوا شیطان کو اپنا کارساز بنائے تو وہ کھلی ہوئی نامرادی میں پڑا۔‘‘ (سورۃ النساء 4 :119-116)

’’کیا وہ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور وہ نہ ان کی کسی قسم کی مدد کرسکتی ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کرسکتی ہیں۔ اور اگر تم ان کو رہنمائی کے لیے پکارو تو وہ تمھارے ساتھ نہ لگیں گے، یکساں ہے خواہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو۔ جن کو تم اللہ کے ماسوا پکارتے ہو یہ تو تمہارے ہی جیسے بندے ہیں۔ پس ان کو پکار دیکھو، وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں، کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں، کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں، کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں؟ کہہ دو، تم اپنے شریکوں کو بلاؤ، میرے خلاف چالیں چل دیکھو اور مجھے مہلت نہ دو۔‘‘ (سورۃ الاعراف 7 :195-191)

’’اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ فیصلہ اسی کے اختیار میں ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔‘‘ (سورۃ القصص 28 :88)

’’اور ہم نے تمہارا خاکہ بنایا، پھر تمہاری صورت گری کی، پھر فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ فرمایا کہ جب میں نے تجھے حکم دیا تو تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا؟ بولا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ فرمایا، پھر تو یہاں سے اتر،

تجھے یہ حق نہیں ہے کہ تو اس میں گھمنڈ کرے، تو نکل، یقیناً تو ذلیلوں میں سے ہے۔ بولا، اس دن تک کے لیے تو مجھے مہلت دے دے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے، فرمایا، تو مہلت دے دیا گیا۔ بولا، چونکہ تو نے مجھے گمراہی میں ڈالا ہے اس وجہ سے میں تیری سیدھی راہ پر ان کے لیے گھات میں بیٹھوں گا، پھر میں ان کے آگے، ان کے پیچھے، ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے ان پر تاخت کروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہ پائے گا۔ فرمایا، تو یہاں سے نکل خوار اور راندہ۔ ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔'' (سورۃ اعراف 7: 18-11)

''اور انھوں نے جنوں میں سے خدا کے شریک ٹھہرائے حالانکہ خدا ہی نے ان کو پیدا کیا اور (انھوں نے) اس (خدا) کے لیے بے سند بیٹے اور بیٹیاں تراشیں، وہ پاک اور برتر ہے ان چیزوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔'' (سورۃ انعام 6: 100)

''اور جو نہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود پکارتے ہیں اور نہ اس جان کو جس کو اللہ نے حرام ٹھہرایا بغیر کسی حق کے قتل کرتے اور نہ بدکاری کرتے اور جو کوئی ان باتوں کا مرتکب ہو گا وہ اپنے گناہوں کے انجام سے دوچار ہو گا۔ قیامت کے دن اس کے عذاب میں درجہ بدرجہ اضافہ کیا جائے گا اور وہ اس میں خوار ہو کر ہمیشہ رہے گا۔'' (سورۃ الفرقان 25: 69-68)

''تو ان سے پوچھو، کیا تیرے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے! کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ دیکھ رہے تھے! آگاہ، یہ لوگ محض من گھڑت طور پر یہ بات کہہ رہے ہیں کہ خدا نے اولاد بنائی ہے اور یہ بالکل جھوٹے ہیں۔''

(سورۃ صافات 37: 152-149)

''اے لوگو! ایک تمثیل بیان کی جاتی ہے تو اس کو توجہ سے سنو! جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا کر سکنے پر قادر نہیں ہیں اگرچہ وہ اس کے لیے سب مل کر کوشش کریں۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے اس کو بچا بھی نہیں پائیں گے۔ طالب اور مطلوب دونوں ہی ناتوان! انھوں نے اللہ کی، جیسا کہ اس کا حق ہے، قدر نہیں پہچانی! بے شک اللہ قوی اور غالب ہے۔'' (سورۃ الحج 22: 74-73)

''اور کہو کہ شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں

اس کا کوئی ساجھی ہے اور نہ اس کو ذلت سے بچانے کے لیے کسی مددگار کی حاجت ہے اور اس کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔" (سورۃ بنی اسرائیل 17 :111)

" وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب و حاضر کا جاننے والا، وہ رحمان و رحیم ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ، یکسر پاک، سراپا سُکھ، امن بخش، معتمد، غالب، زور آور، صاحبِ کبر۔ اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

وہی اللہ ہے نقشہ بنانے والا، وجود میں لانے والا، صورت گری کرنے والا۔ اسی کے لیے ساری اچھی صفتیں ہیں۔ اسی کی تسبیح کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اور وہ غالب و حکیم ہے۔" (سورۃ الحشر 59 :22-24)

عثمان حیدر

جنم دن

جنم دن کے حوالے سے مختلف تاثرات اور رویے پائے جاتے ہیں......کوئی اس پر کہتا ہے کہ افسوس ایک سال زندگی کا کم ہوگیا اور مہلت بھی کم رہ گئی......کوئی کہتا ہے کہ افسوس موت کے ایک سال اور قریب ہوگئے اور وہ نزدیک آ گئی غرض وہ اسے ایسے دن کے طور پر لیتے ہیں جس میں خوشی کا کوئی سامان نہیں بلکہ افسوس اور فکر ہی کرنی چاہیے......

کوئی اس دن باقاعدہ خوشی میں پارٹی ارینج کرتے ہیں تحفے تحائف دیے جاتے ہیں کیک کاٹے جاتے ہیں۔ گویا یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا کارنامہ اس نے سرانجام دے دیا ہے یعنی ان کے ہاں یہ دن سراسر خوشی والا ہے......

ہمیں دونوں رویوں سے کوئی اختلاف نہیں کہ فکر کی جاتی ہے تو کی جانی بھی چاہیے کیونکہ حساب نزدیک آ رہا ہے اور تیاری مایوس کن ہے۔ خوشی منائی جاتی ہے تو منائی جانی چاہیے کیوں کہ اس سے بڑی خوشی کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالی نے پورا ایک سال مہلت دیے رکھی اور آئندہ بھی مہلت دے رہا ہے۔ ہاں بہتر یہ سمجھتے ہیں کہ فکر ہونی چاہیے کیوں کہ بہر حال وہ وقت مزید ایک سال قریب ہوگیا جس کے بارے فرمان الٰہی یہ ہے

ترجمہ: اس دن تم سے ہر نعمت کے بارے ضرور بالضرور پوچھا جائے گا (التکاثر)

اور خوشی بھی ہونی چاہیے کہ آخرت کے قریب ہوگئے جو ہر حوالے سے دنیا سے بہتر ہے میں نہیں کہتا کہنے والا کہتا ہے۔

ترجمہ: آخرت بہتر ہے باقی رہنے والی ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ اس دن کی تیاری کتنی ہے۔ تو یہی اصل احساس ہے جو مطلوب ہے۔ یہی اصل سوال ہے جس کا سوال ہمیں اس دن ڈھونڈنا چاہیے۔ جنم دن اپنا آڈٹ کرنے کا دن ہے۔ جو لوگ اپنے جنم دن پر اپنا آڈٹ کرنے کے عادی ہیں۔ خدا کی رحمت ان کو اپنے گھیرے میں لے لے گی۔ باقی لوگوں کے حصے میں ان کی خوش گمانیوں کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

ڈاکٹر عرفان شہزاد

نقطہ نظر

راہِ گمراہاں

(سفرنامہ کالام اور جھیل مہوڈنڈ)

28 تا 31 جولائی 2016، راقم کو زندگی میں پہلی بار سوات، کالام اور مہوڈنڈ جھیل کے سفر کا اتفاق ہوا۔ سفر کی دعوت ہمارے دوست جناب ندیم صاحب کی طرف سے موصول ہوئی۔ سفر کے اتنے محرکات انہوں نے اکٹھے کر دیئے کہ انکار کا مطلب محروم القسمت ہونا تھا۔ جناب ریحان احمد یوسفی اور ہمارے دوست محمد تہامی بشر علوی صاحب جیسے فاضل عالم کا شریک سفر ہونا بڑی نعمت اور بڑے اعزاز کی بات تھی، چنانچہ فوراً ہامی بھر لی۔ ندیم صاحب ہی کی گاڑی میں بعد از فجر راولپنڈی سے براستہ موٹروے ہم نکلے، راستے میں ہلکا پھلکا ناشتہ کیا اور خیبر پختونخواہ میں داخل ہوئے۔

خواتین اور اہل علم جہاں باہم اکٹھے ہو جائیں، ان کا خاموش رہنا محال بلکہ ممنوع ہوتا ہے۔ چنانچہ سارے راستے مختلف دینی اور سماجی مسائل، اور علمی نکات پر تبادلہ خیال ہوتا رہا، ایک دوسرے کے نقطہ نظر سے آگاہی اور فہم سے استفادہ جاری رہا۔ بحرین تک تقریباً 9 گھنٹے کا سفر باتوں ہی باتوں میں کٹ گیا۔ مردان کے قریب آڑو کے باغ کے کنارے دن کا کھانا کھایا اور پھر بحرین، کے مقام پر گاڑی پارک کی۔ وہاں سے آگے کالام تک سڑک بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، جس میں جگہ جگہ کھڈ پڑے ہوئے ہیں۔ ذاتی گاڑی پر آگے جانا نامناسب تھا، چنانچہ گاڑی ایک گیراج میں پارک کی اور ایک سخت جان قسم کی مقامی گاڑی میں مزید دو گھنٹے کا سفر طے کر کے 5 بجے کالام پہنچے۔

اس دو گھنٹے کے سفر نے ہمارے انجر پنجر ہلا کر رکھ دیئے۔ جگہ جگہ گہری کھائیاں تھیں۔ سڑک دریائے سوات کے کنارے کنارے چلتی ہے۔ ایک طرف سرسبز پہاڑوں کے دامن میں بہتے سبزی مائل پانی والے دریائے سوات کے حسین مناظر چلتے ہیں، تو دوسری طرف سڑک کے کناروں پر حفاظتی بلاکس یا باڑ نہ ہونے کی وجہ سے عدم تحفظ کا احساس مسافروں کو مسلسل محسوس ہوتا ہے۔ زیادہ عمر کے افراد، بچوں اور خواتین کے لیے یہ سفر یقیناً بہت تکلیف دہ ہوگا۔ ہم نے دیکھا کہ بہت سے لوگ جو اپنی گاڑیوں پر خاندان کے ساتھ آئے تھے، راستے کا یہ حال دیکھ کر بحرین سے ہی واپس لوٹ رہے تھے۔ کچھ لوگ البتہ ہمت کر کے اپنی ہی گاڑی پر آگے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک ایسی ہی گاڑی دیکھی جس کا ٹائی راڈ سڑک کے گڑھوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور ٹوٹ گیا تھا، گاڑی کے مسافر اس کو سڑک کے کنارے چھوڑ جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ یہاں لوگوں کو اپنی گاڑیوں کو بحرین میں ہی پارک کر کے مقامی گاڑیوں میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہر کوئی اپنی قیمتی گاڑی مقامی گیراجوں میں چھوڑ کر جانا گوارا نہیں کرتا۔ یوں سیاحوں کی بڑی تعداد بحرین سے آگے کے خوب صورت مناظر سے محروم لوٹ جاتی ہے اور مقامی لوگ اور صوبائی حکومت ان سیاحوں کے ذریعے ہونے والی ممکنہ آمدنی سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ مقامی ڈرائیور سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بحرین تک کی سڑک بھی گزشتہ حکومت نے بنوائی تھی۔ موجودہ صوبائی حکومت کو ابھی ان علاقوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں مل سکی۔

مردان سے آگے سارا سفر دریائے سوات کے کنارے کنارے دریا کے دھارے کے مخالف سمت جاری رہا۔ کالام میں اسی دریائے سوات کے کنارے ہوٹل نیو ہنی مون میں قیام کیا، اطمینان ہو جانے کے بعد ظہرین (ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھنا) ادا کی اور قدرت کے نظارے دیکھنے باہر نکل پڑے۔ کالام جہاں قدرتی حسن کی فیاضی کا شاہکار ہے، وہاں یہ

انسانی ناقدری اور غفلت شعاری کا شکار بھی ہے۔ نگاہ اوپر اٹھائیے تو چاروں طرف سبز چادر اوڑھے خوبصورت پہاڑ، اور ان سے پرے برف کی ٹوپیاں پہنے کوہ ہندوکش کے دوسرے پہاڑ دلفریب نظارہ پیش کرتے ہیں، لیکن جب نگاہ لوٹ کر اس جنت نظیر علاقے کے لوگوں پر پڑتی ہے اور سوات کے غربت زدہ گھروں اور زندگی کے ساتھ بقا کی جنگ لڑتے مفلس لوگوں پر آ کر ٹھہرتی ہے تو دل مسوس ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایک طرف قدرت کی اتنی فیاضی کے جدھر نظر ڈالیے حسن ہی حسن اور دوسری طرف حکومت اور انتظامیہ کی اتنی نااہلی کے اس جنت کے مکینوں کو دوزخ کا باشندہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ افسوس اس لیے بھی زیادہ ہوا کہ محض سیاحت کو فروغ دے کر ان علاقوں کی خوشحالی کا خودکار نظام وضع کیا جا سکتا تھا۔ حکومت صرف سڑک ہی بنا دیتی تو سیاحت کی ترقی سے باقی کام اور ذرائع آمدن یہاں کے محنتی لوگ خود پیدا کر سکتے تھے۔ اس پر افسوس کی ایک وجہ اور یہ بھی ہے کہ خیبر پختونخواہ کا ترقیاتی بجٹ ہر سال بچ رہتا ہے، پورا استعمال ہی نہیں ہوتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ شہروں سے پرے ان سیاحتی مقامات کو حکومت نے نظر انداز کر رکھا ہے۔ اگر بجٹ دستیاب نہ بھی ہوتا، تو بھی اگر کسی بین الاقوامی private کمپنی کو سڑک بنانے اور دیگر سہولیات مہیا کرنے کا ٹھیکہ دیا جا سکتا ہے، وہ کمپنی اپنے خرچ پر انفراسٹرکچر (infrastructure) تعمیر کرتی اور پھر سیاحوں سے ٹیکس وصول کر لیتی۔ یعنی یہ کام مفت میں بھی ہو سکتا تھا، لیکن صوبائی حکومت کی اس غفلت پر کیا کہا جائے۔

سوات اور کالام کے سفر میں ہم نے نمازوں کو جمع کر کے پڑھا یعنی ظہر اور عصر کو ایک ساتھ اور مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھا۔ جس وقت ہم فقہ حنفی پر عمل کے علاوہ کسی اور فقہ پر عمل کرنا گمراہی سمجھتے تھے تو مجھے یاد ہے کہ سفر میں نماز کی پریشانی پورے سفر پر چھائے رہتی تھی۔ حنفی فقہ کے مطابق نمازوں کو جمع کرنا صرف صورتاً جائز ہے۔ یعنی، مثلاً نماز ظہر کو اس کے آخر وقت میں

اور نماز عصر کو اس کے شروع کے وقت میں پڑھ لیا جائے یا اس کے برعکس کر لیا جائے، لیکن ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں اکٹھا کرنا جائز نہیں۔ اس فتوے کی وجہ سے عملی دنیا میں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا تجربہ ہر مسلمان مسافر کو ہوا ہوگا۔ ذاتی گاڑی وغیرہ نہ ہو تو عملاً ایسا ہونا بہت مشکل ہے کہ سفر میں اس وقت وقفہ ملے جب ایک نماز کا آخر اور دوسری نماز کا اوّل وقت قریب آ لگے۔ مجھے یاد ہے کہ ہم کس طرح لوکل ٹرانسپورٹ کو بڑے احتجاج سے رکوا کر اور تمام مسافروں کو تنگی میں ڈال کر نماز کا فریضہ ادا کرتے تھے۔ ٹرین کے سفر میں یہ مشکل دوچند ہو جاتی ہے۔ نیز دنیا کے جن ممالک میں سورج جلدی غروب ہوتا ہے وہاں خصوصًا دفتری لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز کے لیے ہر بار دفتر سے رخصت لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ اب تو بڑے شہروں کے حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے میں ایک نماز کا وقت نکل جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ ایسے حالات میں دینِ یسر (آسان دین) کی اس سہولت سے فائدہ اٹھا لینا چاہیے۔

ہم نے اپنے اس سفر میں دین کی مہیا کردہ اس سہولت کا خوب فائدہ اٹھایا۔ نماز تو پہلے ہی قصر تھی اس پر جب ہم دو دو نمازوں کو ملا کر ادا کرتے تو دل خدا کی عظمت اور رحمت کے احساس سے معمور ہو جاتے جس نے ہم کمزوروں کی جسمانی اور ذہنی بے آرامی کا اتنا خیال کیا کہ اپنے حق میں کمی فرما دی۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھانے سے دل میں جذبہ تشکر پیدا ہوتا ہے جس سے خدا سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی بجائے بالفرض اگر خدا ہماری کمزوری کا خیال نہ کرتا تو نماز تو ہم پھر بھی ادا کرتے لیکن اس میں اطاعت تو ہوتی لیکن محبت کی یہ خُو نہ ہوتی، یہ احساس نہ ہوتا کہ خدا کو ہمارا کتنا خیال ہے۔

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ دین کی دی ہوئی رخصتوں اور سہولتوں کو لوگوں سے چھپانا چاہیے تاکہ

لوگ دین پر زیادہ عمل کر سکیں، لیکن وہ یہ بات نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اس طرح خدا کا تصور ایک پولیس مین جیسا بنتا ہے جو ہر حال میں بس قانون پر عمل کروانا چاہتا ہے، جسے انسانوں کے احساسات کا خیال نہیں۔ جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ خدا ہماری کمزوریوں کا احساس کرتے ہوئے ہمیں آسانیاں دیتا ہے۔ خدا کی دی ہوئی آسانیوں کو چھپانا یا ان کو بھی مشکل بنا دینا، دراصل دین سے نادان دوستی ہے، یہ اپنی غیر لچک دار فقہی نفسیات کو دین پر مسلط کرنے کا گناہ ہے۔

رات ہم نے ہوٹل میں گزاری۔ رات کا کھانا ریحان صاحب کی فرمائش پر دال ماش منگوا کر کھایا، ندیم صاحب جو گوشت خوری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، نے مروتاً کھانے میں ساتھ دیا۔ رات کو ایک چھوٹے سے چوہے نے پہلے میرے سر اور پھر میری پاؤں کا طواف کیا۔ اس کے بعد اسے ایک شاپنگ بیگ مل گیا جس سے وہ ساری رات کھیلتا رہا۔ اگلے دن ہم نے کمرہ تبدیل کروا لیا۔

صبح ہم نے گاڑی کرائے پر لی اور مہوڈنڈ کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ سڑک یہ بھی ویسے ہی ٹوٹی پھوٹی تھی۔ تاہم، خوبصورت پہاڑوں، آبشاروں اور گلیشیئرز کے نظاروں نے سفر کی تکلیف کو محسوس نہ ہونے دیا۔ ہر جگہ جی مچلتا کہ تصویر بنوائیں لیکن جہاں دیدہ رفیقِ سفر ندیم صاحب فرماتے کہ آگے زیادہ خوبصورت نظارے آئیں گے، اس لیے جگہ جگہ وقت ضائع نہ کیا جائے، ورنہ زیادہ اچھی جگہوں کے لیے وقت کم پڑ جائے گا۔ اس سفر میں جتنا ہم ریحان صاحب کی دینی بصیرت کے قائل ہوئے اتنا ہم ندیم صاحب کی سفری اور انتظامی صلاحیتوں کے معترف بھی ہوئے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سفر کے اتنے خوبصورت انتظامات انہیں نے کیے رکھے کہ ان کی وجہ سے سفر کا حقیقی لطف برقرار رہا۔

مہوڈنڈ پہنچے تو میں ششدر رہ گیا۔ معلوم ہوتا تھا جنت میں آ گئے ہیں۔ علامہ اقبال کا شعر سارے سفر میرے وردِ زبان رہا:

حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لیے

ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

اتنا حسین نظارہ ساری عمر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چاروں طرف بلند پہاڑ، درمیان میں پھیلی ہوئی وادی، ایک طرف سبزے کا قالین بچھا ہوا، اور اس کے ساتھ ساتھ ندی بہتی ہوئی، جس کا پانی شفاف سبزی مائل رنگ لیے ہوئے تھا۔ پانی کا ایسا رنگ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ یہ پانی اوپر ایک آبشار سے آتا ہے۔ دل للچا اٹھا کہ دیکھیں یہ پانی کہاں سے آتا ہے۔ ہم اوپر کی طرف چل پڑے۔ ریحان صاحب اور ندیم صاحب نے نیچے رک جانے میں عافیت جانی۔ میں اور بشر علوی صاحب اوپر پتھروں کو پھلانگتے ہوئے چڑھتے چلے گئے۔ جیسے جیسے بلندی بڑھتی جاتی ہے، پانی کا جوش بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ ہم نے جگہ جگہ تصویریں لیں۔ ممکنہ بلندی تک جب پہنچ پائے تو دیکھا کہ آگے جانے کا راستہ نہیں تھا۔ بادلِ نخواستہ واپس آنا پڑا۔ تحقیق کا یہ سفر تشنہ رہ گیا۔ بہر حال، پھر سہی، ان شاء اللہ۔ گلیشیر کے ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کیا تو اعضاء سُن سے ہو گئے۔

ندی کی طرف واپس آ کر ہم کشتی میں بھی بیٹھے اور پانی کا لطف لیا۔ نماز کی جگہ پر پکنک پر آئے کچھ مولوی حضرات نماز ظہر با جماعت ادا کر رہے تھے، ہم بھی شامل ہو گئے۔ سلام پھیر کر مقتدیوں نے کہا کہ عصر کی نماز بھی ادا کر لی جائے۔ امام صاحب حنفی معلوم ہوتے تھے۔ ان کو کچھ تامل ہوا لیکن کچھ تو عصر کا وقت بھی قریب آ لگا تھا اور کچھ سفر نے بھی ان کو سمجھا دیا تھا کہ شریعت کی آسانی کو آسانی سمجھ کر برتا جائے، چنانچہ وہ عصر کی نماز پڑھانے پر بھی راضی ہو گئے۔

مہوڈنڈ سے واپسی پر راستے میں دیکھا کہ کسی شخص نے کے پی کے کی حکومت کی عدم توجہی سے تنگ آ کر ایک آبشار کے پانی کی مدد سے ذاتی طور پر ٹربائن لگا کر بجلی پیدا کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ قریب کے لوگوں کو پچاس روپے ماہانہ پر وہ لامحدود بجلی مہیا کر رہا تھا۔ مہوڈنڈ سے کالام تک ایسے متعدد مقامات ہیں جہاں پانی کا دھارا اتنا تیز ہے کہ چھوٹی قسم کی ٹربائن چلائی جاسکتی ہے اور مفت میں بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ سننے میں آیا تھا کہ چین ایسی ٹربائن پاکستان کے چند تیز رفتار دریاؤں کے چنیدہ مقامات پر لگا کر کامیابی سے بجلی پیدا کر رہا ہے۔ کی پی کے کی حکومت بھی اگر توجہ کرتی تو ان علاقوں کو بجلی کی ضرورت میں خود کفیل کرنا کچھ مشکل نہ ہوتا۔

واپس آ کر ہم نے کھانا کھایا۔ مہوڈنڈ میں ٹراؤٹ مچھلی دستیاب تھی، لیکن مصدقہ نہیں تھا کہ وہ فارم کی ہے یا دریا سے پکڑی ہوئی۔ سارے راستے بشر علوی صاحب ٹراؤٹ مچھلی کی گردان کرتے رہے، واپس آ کر ہم مچھلی ڈھونڈنے بھی نکلے، لیکن ملی نہیں اور بشر صاحب کو رات مچھلی کے بغیر ایسے گزارنی پڑی، جیسے مچھلی پانی کے بغیر گزارا کرتی ہے۔ اگلے دن ہم ہوٹل سے باہر نکلے، ناشتہ کیا اور دریا کے کنارے بیٹھ کر علمی گفتگو کرتے رہے۔ دوپہر کا کھانا ہم نے نہیں کھایا اور رات کو ایک اور ہوٹل ہنی مون پہنچے اور نہایت لذیذ کھانا کھایا۔ یہاں ٹراؤٹ مچھلی بھی دستیاب ہوگئی تھی۔ نیت سچی ہو تو چیز مل ہی جاتی ہے، بشر صاحب کی مراد بر آئی تھی۔

کالام میں ایک جگہ یہ دکان دیکھی جس کے بورڈ پر بائیں طرف اوپر لکھا ہوا تھا۔

''خریدا ہوا مال بخوشی واپس یا تبدیل ہوگا''

رات اپنے ہوٹل میں گزاری اور اگلے دن صبح سویرے بعد از نمازِ فجر واپسی کی راہ لی۔

واپسی پر ایک منظر دیکھا جسے ہم نے اپنے کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیا۔ یہ کچھ لوگ دریا کے اوپر پہاڑ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک رسی کے ذریعے لگی ہوئی خودساختہ

لفٹ کی مدد سے شادی کا سامان لے کر جا رہے تھے، جس میں انسان کے حفاظت کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔ آدمی کو خود ہی اپنا آپ سنبھالنا تھا۔ یہ سراسر مہلک لفٹ تھی۔ معلوم ہوا کہ اس کی وجہ سے حادثات پیش آتے رہتے ہیں۔ وہ لوگ شادی کا سامان اپنی جان پر کھیل کر لا رہے تھے۔ یہ حالات دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے کی پسماندگی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ سڑکیں جو 8 یا 9 برس پہلے آنے والے سیلاب میں تباہ ہوگئی تھیں وہ بھی تعمیر نہیں کی گئیں ہیں۔ بجلی کا انفراسٹرکچر موجود ہونے کے باوجود بجلی سرے سے ہے ہی نہیں۔ ہوٹل بھی چند گھنٹوں کے لیے جنریٹر سے بجلی پیدا کرتے ہیں۔ موبائل فون کے سگنل کمزور ہیں۔ انٹرنیٹ بھی نہیں چلتا۔ اس سب کے باوجود قدرتی حسن کی بے پناہی لوگوں کو یہاں آنے پر مجبور کرتی ہے اور اس سے یہاں کے لوگوں کا روزگار سال میں تقریباً تین ماہ چلتا ہے۔ باقی سارا سال اسی جمع شدہ سرمائے سے کام چلاتے ہیں۔

میونسپل کا تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی وجود ہی پایا نہیں جاتا ان علاقوں میں۔ کوڑا کرکٹ اور تمام سیوریج دریائے سوات کے خوبصورت شفاف پانی میں ڈال دیا جاتا ہے جس سے نہ صرف دریا کا حسن متاثر ہو رہا ہے بلکہ پانی بھی خراب ہو رہا ہے۔

بحرین پہنچ کر ہم نے اپنی گاڑی لی اور پنڈی کی طرف واپس چل پڑے۔ راستے میں ایک چھپر ہوٹل پر شاندار ناشتہ کیا۔ ناشتہ ایسا عمدہ ملا کہ آج بھی زبان کو اس کا ذائقہ یاد ہے۔ واپسی پر ہم ''حلال'' موسیقی سے بھی لطف اندوز ہوتے آئے۔ بشر صاحب کو مرزا غالب کا جنون ہے۔ انہوں نے جگجیت، راحت فتح علی وغیرہ کی گائی ہوئی غالب کی غزلیں سنوائیں۔ نصرت فتح علی، رفیع اور لتا نے بھی بہت لطف دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر آپ کی جمالیاتی حس کی مناسب نشو و نما نہ ہوئی ہو تو آپ نہ انسانی سماج کو درست طور پر سمجھ سکتے ہیں نہ ہی فرد کو۔ دین بھی جمالیاتی روپ

میں نازل ہوا ہے، قرآن جمالیات کا معجزہ ہے۔ قرآن کا فہم بھی بدذوق یا کم ذوق پرنہیں کھلتا۔

اس سفر کے شرکاء بے مثال لوگ تھے۔ کچھ ان کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کرتا ہوں۔ ندیم صاحب کے بارے میں تو گاہے گاہے تبصرہ آتا رہا ویسے بھی وہ اپنے بارے میں زیادہ تبصرہ پسند نہیں کرتے۔

محمد تہامی بشر علوی صاحب کے ساتھ فیس بک کے ذریعے دوستی کا سلسلہ چلا۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ فیس بک کے ہمارے مشترکہ حلقہ احباب میں سب سے پہلے میں تھا جسے ان کے نام کے چاروں حصے ان کی درست ترتیبِ توقیفی سے یاد ہوئے، یعنی محمد تہامی بشر علوی۔ بشر صاحب کشمیری ہیں اور بقول علامہ اقبال تیز دست اور تر دماغ بھی رکھتے ہیں۔ بے لاگ سوچنے اور تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ استدلال کا حق ادا کر دیتے ہیں اور یہ صلاحیت ہمارے معاشرے میں کم یاب ہے۔ اسی لیے روایتی فکر کے گنبد میں قید نہ رہ سکے۔ سوچنے اور کھوجنے کی عادت نے ان کے لیے دین وفہم میں نئی راہیں کھولیں ہیں جو صرف ان کے لیے ہی کھلتی ہیں، جن کے لیے حق جاننا زندگی کا مسئلہ ہو، جن میں سوچے سمجھے مسائل اور اپنے ہی اخذ کردہ نتائج کو پرکھنے کا حوصلہ بھی ہو۔ وہ ان نہایت قلیل افراد میں سے ہیں جو اختلاف کے ساتھ باہمی احترام کا رشتہ حقیقتاً برقرار رکھ سکتے ہیں۔ یہ دعویٰ کیا تو بہت جاتا ہے لیکن لوگوں کی اپنے نظریات سے جذباتی وابستگی نہ تو ان کو درست طور پر کوئی صحیح فیصلہ کرنے دیتی ہے اور نہ اختلاف رکھنے والے سے ہمدردی یا اخوت کا رشتہ ہی برقرار رہنے دیتی ہے۔ لوگ آستین میں خنجر چھپا کر ملتے ہیں اور موقع ملتے ہی گھونپ دیتے ہیں۔ بہرحال اختلاف کے ساتھ احترام کا یہ حوصلہ کم ہی نصیب ہوتا ہے، اور بشر صاحب کو نصیب ہوا ہے۔ تضادات سے وہ نبھا نہیں کر سکتے، یہ ان کی دیانت کا تقاضا ہے۔ اس کی قیمت بھی بہرحال انہیں ادا کرنا پڑتی ہے۔ لیکن وہ جو کہا ہے نا کسی

نے کہ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اس لذتِ آشنائی کے سامنے تمام مشکلات ہیچ نظر آتی ہیں۔ابھی وہ تحصیل علم میں مصروف ہیں۔اس کے باوجود معاشرے کو بہت کچھ دے رہے ہیں۔حال ہی میں ان کے دوفکرانگریز کتابچے،''اسلام اور مذھبی اقلیتیں'' اور''ذکرنوجوانوں کی محبت کا''طبع ہوکر منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔مجھے نہیں معلوم انہوں نے کیسے جان لیا تھا کہ ان کی کتاب''ذکر جوانوں کی محبت کا'' پر تقریظ لکھنے کے لیے میں موزوں ترین ہوسکتا ہوں۔دونوں کتب پڑھنے کے لائق ہیں۔خدا انہیں علم وعمل میں برکت دے۔

ریحان احمد یوسفی صاحب (ابویحییٰ) سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔اس سے پہلے ان سے بس ایک بار فون پر بات ہوئی تھی۔ان کی کتب،''جب زندگی شروع ہوگی'' اور''آخری جنگ''وغیرہ نظرنواز ہوئی تھیں۔جس سے ان کے منہجِ فکراوراحساس کی گہرائی کا اندازہ تھا۔

یوسفی صاحب کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اصلاحی کام کوایک نظام کی شکل دے دی ہے۔اخلاقیات کی تربیت کو باقاعدہ تعلیم بنا دیا ہے۔وہ اپنی کتاب''قرآن کا مطلوب انسان''کو اپنی سب سے اہم تصنیف قرار دیتے ہیں،جس میں انہوں نے قرآن کی منتخب آیات اوراحادیث کی روشنی میں یہ دکھایا ہے کہ اللہ کے نزدیک کس قسم کا انسان مطلوب ہے۔گویا دین کا اصل مقصداس کتاب میں بتایا گیا ہے۔اوروہ بھی اس طرح کہ مصنف کی حیثیت صرف مرتب کی ہے،اس نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی۔

سفرنامے کے اختتام پر مجھے نصرت فتح علی خان کی گائی ہوئی غزل یاد آ رہی ہے جو رفیقِ سفر

رہی تھی، سمجھنے والوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں:

شہر کے دوکاندارو کاروبارِ الفت میں
سود کیا زیاں کیا ہے؟ تم نہ جان پاؤ گے
دل کے دام کتنے ہیں؟ خواب کتنے مہنگے ہیں؟
اور نقدِ جاں کیا ہے؟ تم نہ جان پاؤ گے۔۔۔
صرف لفظ سنتے ہو اور حرف چنتے ہو
ان کے درمیاں کیا ہے تم نہ جان پاؤ گے
تم مریضِ دانائی مصلحت کے شیدائی
راہِ گمراہاں کیا ہے؟ تم نہ جان پاؤ گے

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جب کسی محرومی کا دکھ ستانے لگے
تو اپنی ان نعمتوں کو گنیے
جو اگر چھن گئیں تو
جینا مشکل ہو جائے گا

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

صبر کی عادت کے بغیر حصول جنت کی خواہش
ایک ایسا خواب ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی
(ابو یحییٰ)

احمد بشیر طاہر

نہ کوئی آنکھ ہو میلی نہ دل ہی کالا رہے
وہ نور دے کہ نہ کوئی بھٹکنے والا رہے
شعور و فکر کے ایسے چراغ دے ہم کو
جہالتوں کا کہیں ذکر نہ حوالہ رہے
نہ رہگزر، نہ کوئی رہنما ہو تیرے سوا
کہیں کلیسا و مندر ہو نہ شوالا رہے
چراغ علم کے ایسے ہمیں ودیعت کر
کہ ظلمتوں کا کہیں بھی نہ بول بالا رہے
میرے خدا ہمیں وہ روشنی عطا کر ، کہ
دیئے بجھا بھی دیئے جائیں تو اجالا رہے

حکمت یہ نہیں ہے کہ کسی بھی قیمت پر
مسئلہ حل کیا جائے
حکمت یہ ہے کہ مسئلہ
کم سے کم قیمت پر حل کیا جائے

(ابو یحییٰ)

پروین سلطانہ حنا

لبّیك اللّھمّ لبّیك

اے عرش والو! تمہارا مقام کیا کہنا
گلا مجھے بھی نہیں اپنی نارسائی کا
میرے نصیب پہ دیکھو عروج آیا ہے
ستارا میرے مقدّر کا جگمگایا ہے
کہ مجھ کو پھر میرے سرکار نے بلایا ہے

وہ دل نواز سی صبحیں، وہ شام تو دیکھو
ہر ایک لب پہ درود و سلام، تو دیکھو
چلے جو سوئے حرم، وہ غلام تو دیکھو
مجھ ایسی خاک نشیں کا مقام تو دیکھو

گواہی دینا میری اے ہوائے خاکِ حرم
جہاں پڑے تھے رسولِ خدا کے پاک قدم
وہاں وہاں میں نے اپنی جبیں جھکائی ہے
اذانِ صحنِ حرم کی صدائیں جب گونجیں
شریک اُن میں میرے دل کی یہ گواہی ہے
خدائے پاک احد ہے کہ لا شریک ہے تو
ہر ایک تارِ رگِ جاں سے بھی قریب ہے تو

ابو یحییٰ کی کتابیں

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

حکمت کی باتیں

حکمت کی وہ باتیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں

ملاقات

اہم علمی، اصلاحی، اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکرانگیز کتاب

کھول آنکھ زمین دیکھ

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ابو یحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ

Please visit this link to read all articles and books of Abu Yahya free online.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)